ثانیِ زہرا

ادیب شریعۃ
ڈاکٹر اسد اریب

ثانی زہرا

حضرت زینب

ادیب الشریعہ :-
ڈاکٹر اسد اریب

"ثانی زہرا"

ثانی زہرا جناب زینب صلوات اللہ علیہا کا ۵ جمادی الاول ہجری ۵ سال پیدائش ہے بعض سیرت نگاروں نے پیدائش کا زمانہ چھٹا سال ہجرت بھی کہا ہے۔ بہرطور اس امر پر سب مورخوں کا کامل اتفاق ہے کہ یہ خانہ امیر المومنین میں سب سے پہلی بیٹی ہیں۔ حضرت امام حسن و امام حسین سے کوئی چار برس چھوٹی تھیں۔ جب پیدا ہوئیں حضرت ختمی مرتبت کہیں سفر پر تھے یہ خبر خوشی کی سن کر نہایت تیزی سے خانہ سیدہ کی طرف آئے بیٹی کو مبارک باد دی نواسی کو گود میں لیا اور نام "زینب" رکھا۔ ام الحسن اور ام کلثوم کنیت تجویز کی۔ ساتویں دن عقیقہ کیا۔ پیغمبر اسلام جس قدر محبت اپنی بیٹی حضرت سیدہ سے فرماتے۔ کچھ اسی قدر بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ اپنے ان نواسوں اور نواسی سے شفقت کرتے۔

مورخین نے لکھا ہے، حضوؐر کو اپنی بیٹی کے ہاں اس بیٹی کی ولادت کی اسقدر خوشی تھی جسکا عالم دیدنی تھا انہوں نے اسی دلنوازی کے سبب، فاطمہ کی اس بیٹی کا نام اپنی ایک اور پیاری بیٹی زینب کے نام پر رکھا، وہ زینب، زوجہ ابو العاص ہیں، جو وفات پا چکی تھیں حضرتؐ کو ان بیٹی سے کسقدر لگاؤ تھا کہ جنگ بدر کے اسیر ون میں جب ابو العاص کو سامنے لایا گیا، اس نے وہ ہار حضوؐر کی نذر کیا، جو وقت شادی حضوؐر نے، زینب کو عطا کیا تھا۔ آپؐ اس ہار کو دیکھ کر آب دیدہ ہوئے اور ابو لعاص کی رہائی کی راہ نکالی۔ جناب زینب بنت علی کا نام، انہی زینب کی نسبت سے رکھا۔ یہ بھی عجب حسن اتفاق ہے کہ انہی زینب (زوجہ ابو العاص) کی صاحب زادی بی بی امامہ سے، فوراً بعد وفات جناب سیدہ، جناب امیر المومنین علیؑ نے نکاح فرمایا۔

خانہ سیدہ اسلام کی تعلیمات کا پہلا مکتب تھا اسی لیے حضرت سیدہ کی یہ بیٹی مدینے کی عورتوں کے لیے ہر ہر قدم پر نمونہ عمل ثابت ہوئی۔ تقوی فراست عقل اور خوش انتظامی کے ساتھ ساتھ مدبرانہ صلاحیت کا یہ عالم تھا کہ بڑے۔ بھائی بھی ان بہن کی مشورت کو اہمیت دیتے اور خاندانی معاملات میں ان کی رائے کو نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ اس توقیر کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ گھر داری اور خاندانی معاملات میں یہ چونکہ اپنی ماں کی قائم مقام ان کی جانشین اور ان کی صفات کی حامل تھیں۔ یہ بھائی ان کی اس لیے بھی تعظیم و تکریم کرتے تھے جب کبھی وہ ان بھائیوں کے پاس آتیں یہ کھڑے ہو جاتے اپنی جگہ بٹھاتے اور تواضع

سے پیش آتے۔ یہ سب وہی قرینہ تھا جو انھوں نے اپنے نانا کو اپنی محترم ماں کے ساتھ بصورت التفات دیکھا تھا۔ جناب زینب صلوات اللہ علیہا بھی اپنے باپ اور بھائیوں کی طرف سے ایسے ہی التفات کی مستحق ان معنوں میں تھیں کہ پاکیز گی عفت اور متانت کے تمام اوصاف ان کی ذات میں سمٹ آئے تھے۔ بی بی نے اپنی زندگی کا یہ سفر کس قدر احتیاط و شرعی اخلاق کے ساتھ طے کیا اور خاص طور پر ابتدائے عمر سے بلوغت تک کا یہ زمانہ کس قدر احتیاط سے گذرا۔ یحییٰ مازنی جو کربلا کے شہیدوں میں شامل ہیں مدینے میں امیر المومنین کے پڑوسی رہے۔ کہتے ہیں "ہم نے مدینے کے دوران قیام نہ کبھی جناب زینب کا قد و قامت دیکھا اور نہ کبھی ان کی آواز سنی" یہ سب بزرگی عظمت کردار اور بے مثل عملیت اس نمونہ عمل کی بدولت ہے جو ثانی زہرا جناب زینب نے حضرت زہرا صلوات اللہ علیہا کے دامن تربیت پیغمبر اسلام کے فیضان نظر اور حضرت علی مرتضیٰ کے سایہ شفقت سے حاصل کیا۔ ماں کی وفات کے بعد جس توجہ سے اپنی اس محبوب بیٹی کی تربیت جناب امیر نے کی اور جو قربت اس بیٹی سے آں جناب کو رہی یہ شرف و کرامت بھی اس تقرب کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ کہ بعض محدثین نے جناب امیر سے روایت کرتے ہوئے انہیں "ابی زینب" (زینب کا باپ) کے لقب سے یاد کیا ہے۔

جناب سیدہ کی رحلت اور نانا کی وفات کے وقت ان کی عمر پانچ چھ برس سے زیادہ کیا ہو گی لیکن التعلیم الصغریٰ کالنقش فی الحجر (زمانہ طفلی کی تربیت پتھر پر کیے ہوئے نقش کے مانند ہے) کے مصداق اس مختصر سی مدت کے یہ اثرات جناب زینب کی تمام زندگی پر ثبت رہے۔ ظاہر ہے ایسا کیوں نہ ہو۔ ان کا شرف بہ اعتبار تربیت ان کی ماں سے یقیناً آگے ہے۔ جناب سیدہ کو اپنی تربیت کے لئے ماں عقلیہ عرب خدیجہ اور باپ۔ سید کونین حضرت محمد جیسا ملا۔ مگر انہیں ماں۔ پروردہ نبوت جناب سیدہ باپ باب العلم جناب علی مرتضیٰ نانا رسول الثقلین اور بھائی سردار جناں حسن و حسین جیسے ملے۔ وفات سیدہ کے بعد جناب ام البنین اور جناب اسماء بنت عمیس خثعمیہ جیسی بلند ہمت پاکیزہ کردار اور عالی مرتبت خواتین امیر المومنین کے گھر آئیں۔ ان دونوں نے اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر ان پر توجہ دی۔

رشتے کا مرحلہ پیش آیا تو جناب امیر نے اپنے بھتیجے عبد اللہ بن جعفر طیار کا انتخاب کیا۔ باقی تمام درخواستیں رد کر دیں۔ شادی میں وہی سامان کیا جو جناب زینب صلوات اللہ علیہا کی ماں کے ہاں تھا۔ ویسا ہی جہیز دیا جیسا ماں کو ملا تھا۔ مہر بھی وہی رکھا جو مہر فاطمہ تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ رشتہ ۱۶ھ میں طے پایا۔ (زندگانی چہاردہ معصومین صفحہ ۲۴۱ جلد ۱)۔ اس اعتبار سے جناب زینب کی عمر گیارہ بارہ برس سے زیادہ کیا ہو گی۔ کیونکہ جب ان کی ماں کا انتقال ہوا وہ ۵۔۶ سال کے لگ بھگ تھیں۔ گویا اس رشتے کا تمام تر اہتمام جناب امیر نے تنہا خود فرمایا البتہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان دنوں جناب اسماء بنت عمیس خانہ علوی میں آچکی تھیں۔ اس رشتے میں ان کی تائید مزید بھی یقیناً شامل ہو گی۔

اس رشتے کے حوالے سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جناب عبد اللہ ابن جعفر کے شخصی تعارف میں بھی یہاں کچھ ضروری باتوں کا تذکرہ کیا جائے۔ نبوت کے پانچویں برس کو جب پہلی ہجرت حبشہ ہوئی جناب عبد اللہ ابن جعفر کا سال ولادت قرار دیا جاتا ہے۔ (معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی صفحہ ۵۷۷، جلد ۱۲)۔ اس ہجرت میں جناب جعفر طیار نے حبشہ کی طرف سفر کیا وہیں عبد اللہ کی ولادت ہوئی اسماء بنت عمیس خثعمیہ ان کی والدہ ہیں جو جناب جعفر طیار کی شہادت کے بعد حضرت ابو بکر سے بیاہی گئیں اور پھر ان کی وفات کے بعد حرم امیر المومنین علی کی زینت بنیں۔ جہاں وہ اپنے ساتھ اپنے فرزند حضرت محمد بن ابی بکر کو لائیں جو بہت کم سن تھے کم سنی سے جوانی تک حضرت علی کے زیر سایہ رہے پھر جمل اور صفین کے معرکوں میں لشکر علوی کے ممتاز ترین افراد میں شمار ہوئے۔ خلافت علویہ میں جناب امیر نے انہیں مصر کا حاکم بنا کے بھیجا وہاں شہادت پائی۔ یہ محمد بن ابی بکر جناب عبد اللہ ابن جعفر کے مادری بھائی بطن اسماء بنت عمیس سے تھے۔ عبد اللہ ابن جعفر کا میلان شروع ہی سے دنیاوی زندگی کی طرف زیادہ تھا۔ مال واموال دولت و درہم اور منصب و محنت کے معاملات میں ہمیشہ سرگرم عمل رہے۔ بہت سخی جواد اور کثیر الرماد مشہور تھے ان کے سیرت نگاروں نے انہیں "بحر و جود" سخاوت و عطا کا سمندر کہا ہے۔ عہد ثانی و ثالث میں حکومت کے باقاعدہ منصب دار تھے جناب ابو عبیدہ جراح کی مصر والی مہم میں ان کا نام بطور نائب افسر کے بھی ملتا ہے۔ رومی حملے کے وقت بھی وہ لشکر اسلامی میں تھے۔ حضرت عمر کے عہد میں جب دمشق سے چند کوس کے فاصلے پر رومی حملہ آوروں نے اجتماع کیا تب لشکر کے کمانڈر ابو عبیدہ الجراح نے حضرت عبد اللہ ابن جعفر کو اپنی نیابت میں ان سے مقابلہ

کرنے کے لئے بھیجا جناب امیر نے اپنی خلافت کے شروع دنوں میں عہد عثمانی کے بعض حکام کے سیاسی رجحانات اور وابستگیوں کے مدنظر ان کے منصب سے ہٹادیا۔ بعض کے بارے میں قدرے تامل کیا۔ قیس بن سعد کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا۔ مگر انہیں بھی جناب امیر نے کچھ دیر بعد معطل کیا۔ ان کے معطلی کے واقعات میں بھی جناب عبد اللہ ابن جعفر کا نام آتا ہے۔ قیس عہد علوی میں مصر کے حاکم پہلے سے چلے آتے تھے۔ لیکن بنوامیہ کے طرفدار نہ تھے۔ امیر شام نے سیاسی مہم جوئی کے تحت چاہا کہ کوفے کی حکومت انہیں معزول کر دے تاکہ وہ کوفے کے خلاف ہو جائیں اور چونکہ قیس ایک بڑے لشکر کے مالک رسوخیت والے شخص تھے اپنی معزولی کو آسانی سے قبول نہیں کریں گے۔ چنانچہ یہی ہوا بھی جب قیس کو معزول کرنے کا مشورہ جناب عبد اللہ بن جعفر نے دیا حضرت علی مان گئے اور قیس کو معزول کر دیا۔ ان کی جگہ عبد اللہ ابن جعفر کے مشورے ہی سے محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم بنا کے بھیجا۔ جہاں وہ بنوامیہ کی بربریت و بہیمیت کا شکار ہوئے۔ جناب عبد اللہ بن جعفر کا نام ایسی ہی ایک اور مشورت میں بھی آتا ہے۔ جب امام حسین کوفہ جانے لگے تب انہی جناب نے انہیں کوفے نہ جانے کی رائے دی وہ اپنی اس رائے کو اسقدر صائب جانتے تھے کہ لشکر حسین میں شرکت بھی نہیں کی۔ حالانکہ ان کی بیوی اور بچے واقعہ کربلا میں شریک ہوئے۔ عون و محمد دو بیٹوں نے وہاں شہادت بھی پائی۔ جبکہ وہ خود مدینے میں رہے۔ جناب عبد اللہ ابن جعفر نے حکومت وقت سے اپنا رشتہ کبھی منقطع نہیں ہونے دیا۔ بعض تاریخی واقعات سے ان کا بہت دولت مند ہونا بھی ثابت ہے۔ بلکہ بعض اہل تاریخ نے تو انہیں بنوہاشم کی امیر ترین شخصیت قرار دیا ہے۔ واقعہ کربلا کے بعد بھی انہیں بیس ہزار درہم حکومت وقت نے بطور فتوحات (نذر ہدیہ) دیئے۔ بقول حسین عماد زادہ بعضوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ یزید نے حکم دیا کہ انہیں بیس ہزار درہم بطور دیت ادا کیے جائیں۔ وہ لوگوں کی حاجتیں پوری کرنے کے لئے قرض لینے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ اس مقصد کے تحت امیر شام سے دس لاکھ درہم بھی لیئے۔ یہی وہ اسباب تھے جن کے سبب ان کا مدینے سے زیادہ شام میں رہنا معلوم ہوتا ہے۔

جناب عبداللہ ابن جعفر کی سیرت وسوانح پڑھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ انہوں نے ایک طویل عمر پائی اور وہ کبھی بھی طرفدار اہل بیت نہیں رہے، حالانکہ وہ اپنے احد کی ایک قدآور شخصیت

جناب عبد اللہ ابن جعفر کی سیرت و سوانح پڑھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ انہوں نے ایک طویل عمر پائی اور وہ کبھی بھی طرفدار اہل بیت نہیں رہے، حالانکہ وہ اپنے عہد کی ایک قد آور شخصیت اور نبرد آزما سپاہی تھے، مگر ان معرکوں تک میں وہ کہیں لشکر علی میں نمایاں نہیں، جو علی امیر المومنین اور انکے مخالفوں کے مابین ہوا کئے۔ نہ انہوں نے جہاد کربلا میں شرکت کی، بلکہ فرستادۂ یزید کے طور پر، تخت دمشق کی ترغیب و تحریص پر امام کو کربلا جانے سے بھی روکنا چاہا۔ ہر چند کہ وہ جلیل القدر سپاہی اور صاحب لشکر و عسکر بھی رہ چکے تھے، عہد خلافت راشدہ میں ابو عبیدہ جراح کی افواج کی کمانداری اور افسری بھی کر چکے تھے، اہل بیت سے انکی لاتعلقی اور بی بی زینب سے انکی بے انسی پر اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو گی جب شکشتہ حال، زار و زبوں اہل بیت رہائی کے بعد مدینے پہنچے، یہ اس اہم ترین مرحلے پر بھی یہاں موجود نہ تھے، جبکہ ضعیف الحال بی بی ام سلمہ اور حسینؑ کے مختلف الخیال برادر، جناب محمد ابن حنیفہ تک وہاں موجود تھے۔

میں جناب زینب کی اس پیچیدہ ازدواجی زندگی کے مطالعہ کے بعد، جناب عبد اللہ ابن جعفر کے احوال پر غور کرتا ہوں اور اس صورت حالات کو دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہیں یہ علاقائی اثرات نہ ہوں، ممکن ہے جناب عبد اللہ ابن جعفر اپنی والدہ جناب اسماء کے سبب حضرت ابو بکر کے زیر اثر رہے ہوں اور برخلاف ان کے حضرت محمد بن ابی بکر، ان کے برادر مادری، جو صلب حضرت ابو بکر سے تھے، خانہ علوی میں اپنی ماں جناب اسماء کے ساتھ، علی کے سایہ عاطفت میں رہ کر ان جذبات محبت سے سرشار ہوئے ہوں جس کا مظاہرہ انہوں نے جان دے کر کیا علی کے دست و بازو کہلائے، ثالث حسنین کے رتبے تک پہنچے۔ اور اپنی اولاد کے ذریعے اناثی رشتے سے اہل بیت سے ایسی مصاہرت قائم کی جو تاابد قائم و دائم رہنے والی ہے۔

جب دمشق آیا تو یزید نے کہا تم جو مال اپنے ساتھ لائے ہو اس میں سے عبد اللہ ابن جعفر کو پانچ لاکھ درہم دو۔ وہ اپنے ساتھ مرکزی خزانے میں دو کروڑ درہم جمع کرانے لایا تھا۔ اس رقم سے ۵ لاکھ عبد الرحمن بن زیاد نے عبد اللہ ابن جعفر کو امیر کے کہنے کے مطابق دیئے۔ اور

امیر کی مزید خوشنودی کے لیے ۵ لاکھ درہم اپنی طرف سے بھی دیئے۔ (طبری۔ عربی متون مکتبہ ارومیہ۔ جلد ۴ صفحہ ۲۲۴)۔

جناب عبد اللہ ابن جعفر نے دمشق کی حکومت سے ہمیشہ بنائے رکھی۔ حکام اور حکومت سے ان کے قریبی تعلقات کا ثبوت بنی لیث کے ایک آزاد کردہ غلام خاسر اور ایک مغنی بدیع کے مشہور واقعات سے بھی ملتا ہے۔ (صفحہ ۲۴۹ جلد ۴ تاریخ طبری)۔ انہوں نے ۸۰ ھ یا بقول بعض ۸۷ ھ یا بقول بعض ۹۰ ھ میں وفات پائی۔ اس طرح جناب زینب بنت امیرالمومنین کے کوئی اٹھارہ بیس برس بعد تک وہ زندہ رہے۔ اور ایک طویل عمر پائی۔ علی محمد، عون اکبر، عباس، جعفر، ام کلثوم اولاد ہیں۔ ان کی اولاد جناب علی ابن عبد اللہ سے آگے بڑھی۔ انہی علی ابن عبد اللہ ابن جعفر کی نسل اپنے آپ کو زینبی کہلواتی ہے۔ عون و محمد نے کربلا میں شہادت پائی۔ عباس جعفر اور ام کلثوم کے بارے میں کچھ واضح تفصیلات تاریخ و سیر کی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

جناب زینب بنت علی اور جناب عبد اللہ ابن جعفر کی ازدواجی زندگی کے کچھ واضح نقوش تاریخ میں نہیں ملتے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ جناب عبد اللہ کا مدینے سے دور رہنا شام میں ہونا اور بنو امیہ سے بہتر تعلقات رکھنے کا علم ضرور ہوتا ہے۔ ایک مقام پر حضرت امام حسین سے وہ مکے میں ملے اور کہا آپ کوفے کا سفر نہ کریں اگر آپ کہیں تو حاکم سے میں امان نامہ لکھوا دوں کہ حکومت آپ سے تعارض نہ کرے۔ چنانچہ آپ نے عمر بن سعید حاکم مکہ سے ایک امان نامہ سرکاری مہر کے ساتھ امام کے لیے لکھوایا۔ اس خط کو لے کر عمر بن سعید کا بھائی یحییٰ بن سعید جناب عبد اللہ ابن جعفر کے ہمراہ امام کے پاس پہنچا۔ اس طرح کے کئی واقعات سے جناب عبد اللہ کی زندگی کا اس وقت بنو ہاشم کی عمومی زندگی کے اسلوب سے مختلف ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جناب زینب نے ایسے حالات میں بھی اپنے شوہر کے ساتھ ایک مثالی رویہ رکھا یہ سب جناب امیر کی آغوش تربیت کا اثر تھا۔ وہ نہایت زیرک معاملہ فہم اور متحمل مزاج خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنی والدہ کی وفات کے بعد اپنے باپ کے زیر سایہ پرورش پائی۔ وہ اپنے گھر میں بھائیوں سے چھوٹی ہونے کے باوجود بڑی اہمیت کی حامل رہیں۔ جوں جوں ان کی عمر بڑھتی گئی اس خاندان میں ان کی مرکزیت

میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ دونوں بھائی اپنے تمام خاندانی معاملات میں ان بہن سے مشورت کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھاتے۔ ان بی بی کا یہ اعزاز ان بھائیوں نے تمام عمر باقی رکھا۔ حضرت حسین ابن علی نے ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کا پیغام آنے پر کہ حسین آئیں اور اس کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کریں۔ بی بی زینب سے سب سے پہلے مشورت کی۔ جب بھائی نے مدینے سے عراق جانے کا ارادہ کیا تب بھی ان بہن سے رائے لی۔ خود راہ کربلا اور میدان کربلا میں ہر ہر قدم پر بھائی کی ان بہن سے مشورت کے بے شمار واقعات تاریخ میں مل جاتے ہیں۔ گویا خانہ علوی میں جو حیثیت و اہمیت جناب زینب کو حاصل تھی۔ وہ تا دیر قائم رہی۔ جناب عبد اللہ ابن جعفر سے شادی کے بعد رخصت ہو کر بھی انہوں نے اس گھر میں اپنا وہی اثر قائم رکھا۔ حضرت عبد اللہ ابن جعفر کا زیادہ قیام مدینے میں نہ رہا۔ وہ عموماً اپنے معمولات کے مطابق شام میں زیادہ وقت صرف کرتے وہاں ان کی جائے داد رہائش اور دوسری دلچسپیاں بھی تھیں۔ جناب زینب بنت علی کے مدینے میں رہنے اور اپنے باپ کے گھر سے قریب ہونے کا ایک یہ بھی سبب تھا۔ دوسرے یہ کہ جناب زینب بالطبع ایسی خاتون تھیں جنہیں اپنے میکے سے زیادہ لگاؤ ہوتا ہے۔ اس لیے بھی ان کا میلان اپنے بھائیوں اور اپنے باپ کے گھر کی طرف زیادہ تھا۔ اور شاید یوں بھی کہ ان کے باپ کے گھر میں ان کے شوہر کی ماں (جناب اسماء بنت عمیس) موجود تھیں۔ خیال غالب یہ ہے کہ ان خاتون محترم کی یہاں موجودگی کے سبب بھی وہ اس گھر کو شادی کے بعد اپنا گھر سمجھتی رہیں۔ ہر چند کہ مدینے میں ایک الگ گھر میں ان کا قیام تھا مگر بہن بھائیوں کے گھر اور اپنے باپ کے گھر سے بہت قریبی تعلقات رکھتیں۔ جناب امیر کا ان کے ساتھ التفات بھی زیادہ تھا۔ رمضان کے دنوں میں دو ایک بار ان بیٹی کے ہاں یعنی جناب عبد اللہ ابن جعفر کے گھر پر روزہ کھولا کرتے۔

بعض قرائن سے پتا چلتا ہے کہ اس بیٹی نے اپنی ازدواجی زندگی قائم ہونے کے بعد بھی اپنے باپ کے گھر سے اپنی وابستگی اور اس کی رکنیت کو کبھی ختم نہیں ہونے دیا جب جناب امیر نے مدینہ چھوڑ کر کوفے کو اپنا مستقر بنایا۔ خانہ علوی کے اور افراد نے مدینہ چھوڑا۔ یہ بھی کوفے تشریف لے گئیں۔ صلح حسن کے واقعات کے بعد مدینے واپس آئیں واقعات کربلا سے پہلے تو ان کے کردار کا کوئی بہت واضح عملی پہلو ہمیں تاریخ میں نظر نہیں آتا۔ لیکن واقعات کربلا اور کربلا کی بعد واقعات میں ان کے شخصی

اوصاف کا حال نمایاں نظر آتا ہے ۔ کربلا کے بعد اہل بیت پر جو سخت دن آئے ۔ خاص طور پر کربلا سے واپسی پر مدینے پہنچ کر خاندان بنوت کو جن روح فرسا واقعات کا سامنا تھا ان میں جناب زین العابدین کی عقل و فراست کے ساتھ ساتھ ان بی بی کی صیانت عقل نے بھی بھرپور رہنمائی کی ۔ انتقام خون حسین کے لئے ہاشمی جوانوں میں جو لہر اٹھی اگر امام سید سجاد بھی اس لہر میں شامل ہو جاتے جیسا کہ ان پر اپنے بعض عزیزوں اور طرفداروں کی جانب سے ایسا کرنے کے لئے مسلسل تقاضا بھی تھا ۔ اگر جناب زینب جیسی عقیلہ و موثقہ خاتون صبر و تحمل اور احتیاط و انتظار کی ہدایت کرنے والی شخصیت ان کے درمیان نہ ہوتیں اور جناب سید سجاد ان لوگوں کو اس امر سے روک نہ لیتے تو ممکن تھا تمام خانوادہ اہل بیت کو انہی حالات سے سابقہ پڑتا جو ان کی رائے کے مخالف جناب زید نفس زکیہ عبد اللہ محض اور مختار ثقفی وغیرہ کو پیش آئے ۔ جناب زینب کبریٰ نے کربلا کے بعد واقعات میں جس اولعزمی استقامت اور تدبر و تحمل سے کام لیا وہ ایک ایسی مثال ہے ۔ جسکی تاریخ عالم میں کوئی نظیر نہیں ملتی ۔ بقول ابوالفرج اصفہانی فی الاصل زینب بنت علی ہی بعد حسین ذمہ دار اہل بیت تھیں ۔ وہ تمام فیصلے وہ تمام اقدامات جو کربلا کے بعد اہل بیت سے متعلق تھے جناب زینب ہی کے مرہون منت تھے ۔ خاص طور پر شہادت حسین کے بعد کربلا سے کوفے، کوفے سے شام تک اور پھر شام سے مدینے واپسی تک جو جو معاملات درپیش آئے ان سب میں جناب زینب کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے نہایت دور اندیش زیرک اور سلیم القلب خاتون تھیں یہ انہی کا فیضان عقل تھا جسکے سبب وہ کربلا کے بقیۃ السیف لوگوں کو تحفظ و امان بچالائیں ۔ ان کی طبیعت میں حمیت و غیرت اور عزت نفس کے جو واقعات ہمیں نظر آئے ہیں ان سے صاف پتا چلتا ہے کہ جبر و تعبد اور استعمار و بربریت کے مقابل انہوں نے کبھی سپر نہیں ڈالی ۔ ہر دربار ہر تخت و تاج کے روبرو انہوں نے گردن اٹھا کر بات کی ایسے ہی کسی واقعہ کے پس منظر میں امام زین العابدین نے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا ۔ شکر اللہ کا کہ آپ معاملات کو سمجھنے اور ان سے بخوبی گذرنے کی کامل صلاحیت رکھتی ہیں آپ وہ عالمہ ہیں جو کسی استاد کی محتاج نہ ہو ۔ بحمداللہ عالمتہ غیر معلمہ عقل اور فہم و فراست کے کے ساتھ ساتھ آپ میں زہد و تقویٰ عبادت و قناعت صبر و شکر اور حمایت دین کا ویسا ہی بے مثل ولولہ موجود تھا جیسا کہ آپ کے بھائی حسین میں تھا یہ اسی حسین کی بہن تھیں جس نے عزت کی

موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی۔ مناسب وقت پر موزوں فیصلہ کرنا اور معاملہ فہمی سے کام لینا ان کی شخصیت کا لازمہ تھا۔ اس حوالے سے ان کے ایک قابل ذکر اقدام کا بعض بڑی تعریف و تحسین کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے۔ جو شخص امیر شام (یزید) کا بھیجا ہوا ان اسیروں کو لے کر اپنی حفاظت میں مدینے تک لایا۔ جب یہ مدینہ پہنچا اور واپسی کی اجازت چاہتی تو بی بی زینب نے لوٹ کے واپس شدہ سامان میں سے بعض قیمتی چیزیں اس شخص کو یہ کہ کر دیں کہ "ہمارے پاس مال دنیا سے اور کچھ ہوتا تو ہم تجھے اور دیتے" (زینب الکبریٰ صفحہ ۶۱)۔ آپ کا یہ عمل اس رائے عامہ کو بدلنے کا ایک مناسب اور برمحل طریقہ اظہار اور اس پروپیگنڈے کا بہترین توڑ تھا۔ جو بنوامیہ نے آپ کے خاندان کے خلاف اپنے حکام و عمال میں پھیلا دیا تھا۔ آپ نے اس عمل سے ثابت کر دیا کہ ہم اہل بیت مال دنیا کی طمع کرنے والے نہیں۔

جناب زینب عالیہ نے اپنی پرعزم اور بیرون خانہ عملی جدوجہد کا مظاہرہ کر کے میدان جہاد دربار سلطنت اور ہنگامہ زار ہستی کے مختلف مقامات پر طرح طرح کے مجادلے مکالمے اور مخاطبے کے ذریعے یہ سچ کر دکھایا کہ عورت صرف خانہ نشینی اور گوشہ گیری کے لئے پیدا نہیں ہوئی اگر وقت پڑ جائے تو اسے سب کچھ وہی کرنا چاہیے جو استقامت کے اظہار اعتماد و یقین کے مرحلے اور زندگی کے فیصلہ کن لمحوں میں ایک باہمت و قوی الارادہ مرد کو کرنا چاہیے۔

اسلام کے ابتدائی برسوں میں عورت عموماً خانہ نشین نظر آتی ہے۔ اس کا تعلق صرف امور خانہ داری سے تھا۔ بہت کم خواتین اسلام ایسی ہیں جو اس دور میں گھر گرہستی کے معاملات کے سوا بھی نظر آتی ہیں۔ لیکن ایسی مثالیں شاذ و نادر ہی ملیں گی زمانہ پیغمبر تک عورت کا خارجی دنیا سے اسقدر تعلق ضرور ملتا ہے کہ وہ حالت جنگ میں جب محاصروں کے طول پکڑ جانے کا امکان ہوتا تو بعض ازواج مومنین اپنے محرموں کے ساتھ لشکر میں شریک رہتیں اور جنگی معاملات میں بھی حتی المقدور مددگار ضرور ہوتیں ہجرت حبشہ کے موقعہ پر بھی خواتین اسلام کی شرکت معروف ہے۔ لیکن یہ سب واقعات خاص حالتوں میں ظہور پذیر ہوئے البتہ اسلامی معاشرے میں عورت کا ایک نیا کردار اس وقت سامنے آیا جب جمل کے معرکے میں امیر المومنین حضرت علی کے حریف کے طور پر مخالف لشکر کی قیادت اسلامی

تاریخ کی ایک نہایت اہم خاتون نے کی۔ ورنہ اسلام کی ابتدائی نصف صدی تک عورت محض ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کی حیثیت سے پہچانی جاتی تھی۔

عورت کی خانہ نشینی کے اس عمومی تناظر میں جناب زینب نے آنکھ کھولی یہی زمانہ اور یہی ماحول ان کی تربیت کو میسر آیا۔ لیکن جس قدر عزم حوصلے اور تدبر سے انہوں نے کربلا کے معرکہ میں شرکت کی اور جس طرح شہادت حسین کے بعد لشکر اسلام کو سنبھالا تاریخ اسلام کا یہ ایک ایسا حیرت ناک واقعہ ہے جس پر آج بھی تاریخ حیرت زدہ ہے۔

خیال کیجئے ایک مثالی عورت کا تصور اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا۔

دو بچے جو لڑکپن کی دلفریب حدوں کو چھو رہے تھے ماں کے سامنے آناً فاناً قتل ہو گئے پھر ان کے نازک جسموں کو گھوڑے دوڑا کر پامال کر دیا گیا۔ یہاں یہ ایک ماں تھی پھر حسین اور عباس جیسے عزیز از جان بھائیوں کے قتل کا منظر دیکھا۔ یہاں یہ ایک بہن تھی۔ پھر علی اکبر کا کلیجہ چھلنی ہوا قاسم کی لاش کے ٹکڑے ہوئے اصغر بے شیر خون میں نہایا۔ شہادت حسین کے بعد اشقیا، خیام حسینی میں بے باکانہ گھس آئے۔ بیمار کا بستر الٹ دیا۔ خیمے جلا دیئے۔ یہ سب دلدوز منظر جس نے دیکھے یہ خانوادہ نبوت کی سب سے بزرگ شخصیت، زینب بنت علی تھیں۔ عاشورہ کی سسکتی اور سلگتی ہوئی شام اور پر ہول رات تک اس خاتون محترم نے استقامت عزم اور حمایت دین کا جو بے مثل کارنامہ سر انجام دیا وہ بجائے خود ایک معرکہ ہے۔ یتیم بچوں، بیواؤں، بیماروں مردوں اور عورتوں کو جسطرح سہارا دیا۔ دشمنوں سے مقابلے میں جیسا حکیمانہ طرز عمل اپنایا اور جس تحمل تدبیر و تدبر کا مظاہرہ کیا وہ سیدہ زینب کے کردار کا ایسا پہلو ہے جو اسلامی تاریخ میں عورت کے کردار کا ایک نیا نمونہ عمل ثابت ہوا۔ انہی کی صیانت عقل کا کمال ہے جو وہ سید سجاد کو عبد اللہ ابن زیاد کے بے رحم ہاتھوں سے زندہ بچا لائیں۔

جس طرح امام حسین نے اپنی زندگی میں ظلم و جبر استعمار اور طاغوت سے کوئی مفاہمت اختیار نہیں کی۔ بالکل اسی طرح بی بی زینب نے شہادت حسین کے بعد ابن زیاد کے کسی بھی حکم کو نہیں مانا۔ عاجزی کی سپر کہیں بھی نہیں ڈالی۔ غور کیجئے جناب زینب کبریٰ کے لئے یہ کس قدر آسان تھا جو کچھ ہو چکا تھا اس پر صبر کر لیا جاتا۔ مزید نقصانات سے بچنے ذلت قید و بند رسوائی اور دربدری سے محفوظ رہنے کے لیے یہ کس قدر آسان بات تھی کہ

جہاد باللسان کی طرف بڑھتے ہوئے قدم روک لیے جاتے زبان بند کر لی جاتی خزانہ شاہی سے بہت سا مال و اسباب وصول کر کے مدینے کی راہ لی جاتی۔ لیکن علیؑ کی بیٹی زینب عالیہ نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ واقعات کربلا حسینی قافلے کے لئے انتہائے مقصد نہیں۔ عاشور کی شام تک کے واقعات تو محض ابتدائے مقصد ہیں۔ اور ہوا بھی یہی۔

کہا گیا، تمہارے سروں پر چادر نہ ہو گی بولیں نہ ہو۔

کہا گیا۔ بیواؤں اور یتیم بچوں کے وارثوں کے سر نوک نیزہ پر ساتھ ساتھ چلیں گے۔

بولیں: چلیں۔

کہا گیا، گردن میں طوق اور بازوؤں میں رسن ہو گی جواب دیا کیا چارہ ہے۔؟ ڈرایا گیا دمشق کا دربار ہو گا، عرب و عجم کے سفیر ہوں گے، علی و فاطمہ کی بیٹیوں کو وہاں نام بہ نام بلایا جائے گا۔ جواب ملا ہاں یہ سب گوارہ ہے۔ زینب بنت علی کے پر جوش غیرت مندانہ اور مضبوط اقدامات نے یزید پر ایک مرتبہ اور ثابت کر دیا کہ حسین اپنے فیصلے میں اب بھی ثابت قدم ہیں۔ اصولوں پر مفاہمت کرنا غیرت مندوں کے لیے ناممکن ہے۔ زمین گر سکتی ہے پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ سکتے ہیں اور جس گائے کے سینگوں پر (بقول عقیدہ ہنود) زمین قائم ہے۔ وہ وہ گائے لڑ کھڑا سکتی ہے مگر پائے حسین میں لرزش نہیں آسکتی۔

بھوم ڈگے۔ پربت ڈگے۔ ڈگے نرائن گیں
عرش ڈگے، کرسی ڈگے، ڈگے نہ پائے حسین۔

(تلسی داس پائلوی)

بلند حوصلگی، استقامت، ارادوں کی مضبوطی اور برداشت کا وہ بے مثل مظاہرہ خاتون کربلا نے دکھایا، کہ دنیا تسلیم کرتی ہے کہ زینب بعد کربلا زینب نہیں تھیں انداز و اطوار افتخار و اعتبار کے لحاظ سے ہو بہو مثیل حسین تھیں۔

جناب زینب کبریٰ کی حکیمانہ فراست کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ سانحہ کربلا کے واقعات میں سے ہر واقعے سے کوئی خاص دقیقہ کوئی ایک بات کوئی ایک لمحہ وہ اپنے ردعمل کے لیے اختیار کرتیں باقی اجزاے واقعہ کو تحمل کے ساتھ نظر انداز کر دیتیں۔ کسی کردار کا یہ ایک ایسا بڑا وصف ہے جس کے ذریعے غیر ضروری تصادم اور نقصانات سے بڑی

حد تک .بچایا جا سکتا ہے ۔ جناب زینب کبریٰ کے کردار کا یہ روشن پہلو اس واقعے میں دیکھا جا سکتا ہے ۔سب کشاں کشاں ابن زیاد کے دربار میں لائے گئے ۔ بی بی زینب عالیہ نے پہلے ہی سے یہ اہتمام کر رکھا تھا کہ نہایت خستہ حال بے رنگ سے کپڑے پہن لیئے تھے تا کہ پہچانی نہ جائیں ۔سب بیبیاں سامنے لائیں گئیں تو (ابن مرجانہ) نے پوچھا تم میں زینب بنت علی کون ہے؟ بلکہ بہ اعتبار طبری (جلد ۶ صفحہ ۲۶۲ طبع مصر) یہ بات اس نے کوئی تین بار پوچھی ۔ جب اسے کوئی جواب نہ ملا تو قیاساً اس نے ایک بی بی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہیں؟ شاید غصہ سے رہانہ گیا ہو کسی نے بتلاہی دیا یہ زینب بنت علی ہیں وہ فتحمندانہ انداز سے بولا خدا کا شکر کہ اس نے تمہیں رسوا کیا ۔ قتل کیا اور تمہارا جھوٹ ظاہر کر دیا ۔حضرت ثانیہ زہرا اب تک خاموش تھیں اسیر ، رسن بستہ ،بیبیوں اور آل رسول کے اس طرح سر دربار لائے جانے پر وہ ضبط کیئے رہیں ۔ ابن زیاد کی ہر ہر گستاخی پر انہوں نے تحمل اختیار کیا جب اس نے بنت علی کی نشان دہی پر اصرار کیا تب بھی وہ چپ رہیں ۔ لیکن جب اس نے یہ کہا "خدا نے تمہارا جھوٹ ظاہر کر دیا" وہ نہایت تمکنت اور تفاخر سے بولیں رسوا وہ ہوتا ہے جو فاسق و فاجر ہو اور جھوٹ اسکا کھلتا ہے جس کے مد نظر ہمیشہ سچائی نہ رہے وہ ہم نہیں ہیں ہمارا غیر ہے (شہید انسانیت صفحہ ۱۴۵ طبع لاہور) ۔اس واقعے کی باقی جزیات میں بی بی کا خاموش رہنا ان معنوں میں تھا کہ ابن زیاد کے طرز عمل سے محض ان کی ذات گرامی پر کرب وارد ہوتا تھا لیکن اب جب بات اسلام کی حرمت تک آپہنچی اور دعوت توحید پر حرف آنے لگا تب ان سے خاموش رہانہ گیا۔

ابن زیاد نے کہا ۔ دیکھا تم نے اللہ نے تمہارے عزیزوں کے ساتھ کیا کیا وہ سب کے سب باغی اور سر کش قتل کر دیئے گئے ۔ بی بی بولیں وہ تو اللہ کی راہ کے مسافر تھے ۔ اپنے پیروں سے چل کر قتل گاہ کی طرف گئے اے ابن زیاد تو نے میری شاخوں کو کاٹ ڈالا میری جڑ کو اکھاڑ پھینکا ۔ اگر تو خوش ہوتا ہے تو ہو لے یوم حساب کچھ زیادہ دور نہیں (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۶۲ طبع مصر) ۔ابن زیاد کو اس جواب پر غصہ آیا قریب تھا کہ آپ کو اور کچھ ناسزا کہتا اور تازیانہ اٹھاتا کہ اسکے ایک رفیق عمرو بن حریث نے اسکا ہاتھ روک لیا۔

بنت علی نے حسین کے جادہ استقامت پر قدم بہ قدم سفر جاری رکھا ۔ کسی مشکل

پہ کسی تکلیف دہ سلوک پہ آہ وزاری نہیں کی۔اگر وہ بھی رو دیتیں ان کی آنکھوں میں بھی آنسو آجاتے تو پھر بے وارث عورتوں اور یتیم بچوں کو دلاسا کون دے سکتا؟ راہ مستقیم پہ اس سفر کی تربیت گاہ وہی تھی جو حسین کو میسر آئی۔ جناب زینب نے آنکھ کھولی تو منظر کچھ ایسا خوشگوار نہ تھا پانچ چھ برس کی تھیں کہ نانا نے انتقال کیا۔ پھر ماں دنیا سے رخصت ہوئیں۔ بابا کے پاؤں خلافت کے ہنگامہ انتخاب میں کچلے گئے۔ دوستداران اہل بیت سے امت کی ناشناسی دیکھی پھر ابن ملجم کی تلوار نے یتیم کر دیا۔ بھائی حسن کو دیکھا کہ وہ جاہ و منصب کے خریداروں کے ہاتھوں محراب عبادت میں گوشہ گیر ہو گئے پھر یزید کا خط ولید کے نام آیا۔ حسین مدینے سے نکل کھڑے ہوئے۔ یہ ماں جائی ساتھ ساتھ تھی۔اس طرح حسین کی یہ بہن ان سارے کرب ناک دل دوز واقعات سے گذر کرمنزل کر بلا تک آپہنچی۔ عبادت صبر و شکر اور حمایت دین کی مثالی درسگاہ سے فارغ التحصیل یہ زینب اسی حسین کی بہن تھی۔ جس نے اَلموت اولی من رکوب العار کا ولولہ انگیز نعرہ دیا جس نے ذلت کی زندگی سے عزت کی موت کو بہتر سمجھا۔ وہ بھلا یزید کی (اسلام کے لیے) یہ توہین آمیز گفتگو محض اس لیے خاموشی سے سن لیتی کہ نیزہ کی نوک سے اسکے بازو نہ چھد جائیں جب یزید نے بر سر دربار یہ شعر پڑھا۔

بنی ہاشم یعنی محمد نے حصول اقتدار کا ایک کھیل کھیلا تھا نہ کوئی خبر (نص) آئی تھی نہ کوئی وحی نازل ہوئی تھی کاش میرے بدر کے مقتول بزرگ دیکھتے کہ دین محمد کے ہمنوا کس طرح میری نیزوں کی نوک پہ ہیں۔

لعبت ھاشم بالملک و لاخبر جا. و لا وحی نزل

لیت اشیافی ببدر شھدو جزع الخزرج من وقع الاسل

یہ سن کر علی کی بیٹی کو جلال آیا۔ غیرت ایمانی سے دل و دماغ کی نسیں پھٹنے لگیں وہ کھڑی ہو گئی اور بولی" کتنا سچا ہے میرا پروردگار جس نے کہا "اور آخر میں یہ نوبت پہنچی کی جو برے اعمال کرنے والے تھے آیات خداوندی کی تکذیب کرنے اور ان کی ہنسی اڑانے لگے"اے یزید کیا تو نے گمان کر لیا کہ تو ہم پہ زمین و آسمان کے راستوں کو تنگ کر دے گا۔ یا یہ کہ ہم اسیر کر لئے گئے اور قتل ہو گئے اور یہ کہ یہ وقتی کامیابی یہ ظاہری فتح تیرے لیے کوئی تائید ایزدی ہے کہ ہم حقیر اور تو مکرم قرار پایا۔ کیا تو خداوند عالم کا یہ

فرمان بھول گیا کہ نہ خیال کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا کہ ہم جو انکو مہلت دیتے ہیں وہ کسی بہتری کے سبب ہے۔ ہم تو صرف اسی لیے مہلت دیتے ہیں کہ وہ اپنے گناہوں کا شوق دل کھول کر پورا کر لیں (آل عمران آیت ۱۷۸) تیرا دل تو انسانیغیرت اور اسلامی حمیت سے یکسر عاری ہے تو نے اپنی کنیزوں کو تو چادریں اڑھائیں۔ ہیں اور آل رسول کو در بدر بے مقنع و چادر پھراتا ہے۔ نہ گھبرا وقت معلوم آنے دے اس وقت تو اپنے مشرک بزرگوں سے داد کا طالب ہے۔ کل تو بھی اسی گھاٹ اتارا جائے گا۔ وہ دن بہت نزدیک ہے جب منادی ندا دے گا۔ کہ آئیں ظلم کرنے والے اپنے انجام کو دیکھ لیں گے و سیعلم الذین ظلموا ایی منقلب ینقلبون (شعراء آیت ۲۲۷) شکر خداوند بزرگ و برتر کا کہ اس نے ہمارے بزرگوں کا انجام رحمت و رافت سعادت و فخامت پر کیا اور ہمارے اس آخری بزرگ کو شہادت سے سرخرو فرمایا۔

یزید کی عبا ذلت اور ندامت کے پسینے سے ڈوب گئی وہ بنت علی سے تو لاجواب ہو گیا مگر اپنی خفت مٹانے اور زینب کبریٰ کی تقریر کا رخ موڑنے کے لئے سرحسین سے بے ادبی کرنے لگا۔ جناب ابو برزہ اسلمی کو کہنا پڑا ارے ظالم رک جا۔ اپنی چھڑی سے تو ان لبوں کو چھوتا ہے جس پر رسول خدا اپنا منہ رکھتے تھے۔

علی کی اس شیر دل بیٹی نے اپنی خطیبانہ قوت ایمانی جرآت اور عفت و عصمت کی پر زور ہیبت سے حکومت کو دہلا کے رکھ دیا۔ اور اسے یہ خوف دامن گیر ہوا کہ بنت علی کی اگر تقریریں جاری رہیں تو کہیں وہ تحلیل ہو کر نہ رہ جائے۔ یزید پر جناب زینب کے اس جرات مندانہ رویے کا ایسا اثر ہوا کہ قتل ہونے کے قریب تر یہ اسیر جن کے ہلاک کر دے جانے کے تمام آثار و قرائن جمع کر لیے گئے تھے رہا کر دیے گئے نعمان ابن بشیر کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے حفاظتی دستے کے ساتھ آل محمد کے اس قافلے کو بہ عزت و اکرام مدینے لے جائے۔ (زینب الکبریٰ صفحہ ۱۲۲)۔

جناب زینب بنت علی واقعہ کربلا کے بعد تقریباً ایک ڈیڑھ سال مدینے میں رہیں پھر شام آئیں یہاں ان کے شوہر کی جائے داد بھی تھی اور رہائش بھی۔ یہاں بیمار ہوئیں اور ۱۵ رجب ۶۲ھ کو وفات پائی۔ (زینب الکبریٰ صفحہ ۱۲۲)۔ یہیں ان کا مدفن ہے۔

مصر میں ان کا مرقد ہونا بھی ایک روایت رہی ہے۔ مگر یہ درست نہیں اصل بات

یہ ہے کہ جناب امیر کی تین بیٹیوں کا نام زینب مشہور ہے۔ (زندگانی چہاردہ معصومین صفحہ ۲۴۶ جلد ۱)۔ایک زینب بطن سیدہ سے جناب امیر کی بڑی بیٹی جن کا نکاح جناب امیر نے اپنے حقیقی بھتیجے عبداللہ ابن جعفر سے کیا۔ کربلا کے واقعات میں انہی زینب کا نام نامی بار بار آتا ہے۔انہی زینب کو زینب الکبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ دوسری زینب ام کلثوم کنیت تھی۔ بطن جناب سیدہ سے امیر المومنین کی چھوٹی بیٹی رسول اللہ کے انتقال کے وقت بہت کم سن (تقریباً دو سال تھیں) جناب امیر نے ان کا نکاح اپنے بھتیجے محمد بن جعفر طیار سے کیا۔انہی کو زینب صغریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ تیسری ایک اور زینب بھی ہیں جو صہبائے ثعلبیہ کے بطن سے جناب امیر کی بیٹی ہیں۔ (زندگانی چہاردہ معصومین صفحہ ۲۳۱ جلد ۱) انہی زینب نے جناب زینب کبریٰ کے سال وفات ۶۲ میں بہ ملک مصر وفات پائی۔ان کا سفر مرو و مصر کئی تاریخوں میں بھی درج ہے۔ یہاں ان کے مرقد کے ساتھ ایک مسجد اور ضریح بھی ہے۔ لوح مرقد پر بہت بعد کے زمانوں میں ایسی عبارتیں لکھ دی گئیں جس سے گمان گذرتا ہے کہ یہاں سیدہ زینب بنت (فاطمہ) صلوات اللہ علیہا دفن ہیں۔ مگر ان عبارتوں کو قرین حقیقت اس لیے نہیں سمجھا جا سکتا کہ جناب زینب کبریٰ کا شام میں مدفون ہونا بھی ایک حوالہ تاریخ ہے۔ جہاں تک مصر والے ان کتبوں اور الواح کا تعلق ہے ہم جانتے ہیں ایسے کتبے جو شروع سے نہ ہوں اور آغاز واقعہ پر نہ لگائے گئے ہوں ایسی عمارتوں اور یادگاروں پر واقعات کے بہت بعد مختلف حالات و کیفیات کے تحت نصب کر دیے جاتے ہیں۔ ان پر عام اور غیر معتبر لوگ اپنی خواہشات اور عام عوام کی معلومات سے حاصل کردہ باتوں کو لکھ دیا کرتے ہیں جنکا واقعیت سے عموماً کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں ایران، افغانستان، ہند، پاکستان میں کئی مقامات ایسے ہیں جہاں امیر المومنین کے نقش قدم بتلائے جاتے ہیں۔ کچھ مقامات پر ایسی مساجد ملتی ہیں جن کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں حضرت علی نے نماز ادا کی۔ بعض جگہ ان کے نام سے گذرگاہیں اور درے بھی منسوب ہیں۔ بعض مزار بھی ایسے ہیں جنہیں مرقد شریف سے نسبت دی جاتی ہے۔ حالانکہ ان کے ایسا ہونے کے قرائن عقلی موجود نہیں۔ بعض مزاروں کے بارے میں عام لوگ قیاس کرتے ہیں کہ یہ ان مخدرات کے مدفن ہیں جن کا یہاں ہند میں ہونا کسی بھی اعتبار سے ممکن نہیں جیسے جناب رقیہ بنت علی کا معاملہ ہے۔ یہ بیٹی جناب امیر کی بیوی ام حبیب بنت ربیعہ کے بطن

سے عمر بن علی کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئیں۔ مسلم بن عقیل کی زوجہ ہیں۔ کربلا ... میں موجود تھیں عبد اللہ بن مسلم ان کے کم سن بیٹے نے وہاں شہادت بھی پائی۔ اسیروں کے قافلے میں شامل تھیں۔ رہائی کے بعد ان کا مدینے واپس آنا اور رہنا تاریخی قرائن سے ثابت ہے۔ (شہید انسانیت طبع لاہور صفحہ ۴۷۸)۔ لہٰذا ان رقیہ بنت علی کا برصغیر آنا بے بنیاد مفروضہ ہے۔ ایسے معاملات محض اس لیے ظہور میں آتے ہیں جب کسی بنائے عمارت کے وقت اصل واقعات کی تخصیص مُجرد محکم طور پر نہ کی جائے بلکہ بہت بعد میں ایسا کیا جائے تب عموماً اس طرح کے مغالطے جنم لیتے ہیں

صدیاں گزرتی جائیں گی، ایسے آثار کے بارے میں لوگوں کی اپنی خواہشوں کا عمل دخل اور ان کے اعتقادات بڑھتے چلے جائیں گے، اور پھر حقیقت آہستہ آہستہ مشتبہ ہوتی چلی جائیگی۔ کیا خبر کہ آج اسکردو بلتستان میں بنا ہوا، ۷۲ شہدائے کربلا کا قبرستان، دو چار صدی بعد یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہو کہ کربلا کے تمام تر شہید، اسکردو لا کر دفن کیے گئے، یہی فی الاصل گنج شہیداں ہے۔

تقریباً ایسا ہی معاملہ جناب زینب کبریٰ صلوات اللہ علیہا کے مصر میں مدفون ہونے کا ہے۔

جناب زینب شریکۃ الحسین کے مدفن کے بارے میں سچی بات یہ ہے کہ ان کے مدفن کا معاملہ ابھی تک یقینی نہیں ہے۔ شام جائیے تو قریہ زینبیہ میں ان کا مزار بتلایا جاتا ہے۔ مرزا عباس قلی خان نے طراز المذہب میں بھی یہی کہا ہے، عائشہ بنت الشاطی نے مصر میں ہونا بتلایا ہے وہاں جائیے تو ایسا ہی کہا جاتا ہے اور یہی لکھا گیا ہے، یاقوت حموی، شیخ مفید، جیسے علماء معتبر نے مزار زینب کے مصر اور شام میں ہونے کی نفی کی ہے، برصغیر کے علماء میں ناصر الملت ناصر حسین، اور لبنان کے حسن الامین نے بھی اس غیر یقینی صورتحال کی طرف اشارہ کیا ہے اور دلائل اس حق میں دیے ہیں کہ بی بی مدینہ میں ہوں گی، ہر چند کہ مدینہ کے ایسے آثار میں خواہ وہ ہوں یا نہ ہوں مسمار ہوں چکے ہوں یا موجود، کہیں بھی مزار زینب کا ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ طبقات الکبریٰ میں علامہ شعرانی ۶۲ ھ، وفات بتلاتے ہوئے، ۱۴ رجب کو مصر میں ان کی تدفین ثابت کی ہے۔ حسین عماد زادہ نے برخلاف اس کے "زندگی چہاردہ معصوم" میں لکھا ہے،

مزارش در بیرون شہر شام واقع گردید، ۔۔۔۔۔ بارگاہش در شام است

مدفن جناب زینب شریکۃ الحسین کے بارے میں میرا تحقیقی مزاج کہتا ہے کہ جناب امیرؑ کی تین بیٹیوں کے نام چونکہ زینب معروف ہیں ایک رُقیہ" زینب کہ عرفیت ان کی اُم کلثوم ہے، پھر زینب صُغریٰ اور زینب کُبریٰ ہیں یہ التباس محض اشتراک اسماء سے پیدا ہوا ہے۔ تقریباً یہی احوال اولاد ذکور میں وہاں واقع ہوتا ہے جہاں، اولادوں میں کئی اولادیں علی سے موسوم ہوں، جسطرح کہ واقعات کربلا میں، علی (اوسط)، علی (زین العابدین)، علی (اکبر)، علی (اصغر)، علی (اطرف)، علی (اشرف)۔ اب اہل نظر کا کام ہے کہ وہ زینب کے معاملے میں ان کے مزار کا تعین کریں۔

رُقیہ کا مدفون مدینہ ہونا، اختلافی نہیں رہا۔ زینب صُغریٰ کا مصر میں ہونا، قرائین سے ثابت ہے، البتہ جناب زینب کُبریٰ کے مدینے میں بروقت وفات ہونے پر بہ ایں معنیٰ اصرار کیا جاسکتا ہے کہ ابھی جناب سید سجاد مدینے میں تھے، جن شدائد اور آلام کو وہ ان کے ساتھ جھیل چکی تھیں، اور کثرت غم اور انبوہ مصائب میں وہ تھے، انہیں وہ تنہا چھوڑ نہیں سکتی تھیں، زیارت حسینؑ کا سفر ہو، یا شوہر کی طرف دمشق کا جانا، مدینہ بہر حال دائماً ان کے لئے چھوڑے جانے والی بستی نہ تھی۔ ناصر الملت نے بھی کچھ ملتا جلتا ایسا ہی استدلال کیا ہے۔

سرسری جائزہ حیات زینب

پیدائش۔	۵ جمادی الاول ۵ ھ بقول بعض آخر شعبان ۶ ھ۔
وفات۔	۱۵ رجب ۶۲ ھ۔
نکاح۔	۱۶ ھ۔
اولادیں۔	علی، عون اکبر، محمد، عباس، جعفر، ام کلثوم۔
عمر۔	بوقت وفات والدہ ۶ سال تقریباً
	بوقت وفات والد ۲۴۔۲۵ سال تقریباً
	بوقت وفات امام حسن ۴۵ سال تقریباً
	بوقت وفات امام حسین ۵۵۔۵۴ سال تقریباً۔
	بوقت وفات خود ۵۷ سال تقریباً۔

جن معتبر کتابوں میں جناب زینب کا تذکرہ ملتا ہے اور اس مقالے کی تدوین میں بھی ان سے مدد لی گئی ان میں چند ایک یہ ہیں۔

(ارشاد) شیخ مفید۔

ابو مخنف (مقتل

چہاردہ معصومین (زندگانی) عماد زادہ عمادالدین حسین

(زینب الکبریٰ) شیخ جعفر نقدی

(شہید انسانیت) علی نقی

عائشہ الشاطی (بطلہ کربلا)

(منتخب التواریخ) ملا ہاشم

(احتجاج) طبرسی

ابوالفرج (مقاتل الطالبین)

(زینب) محمد حسین الادیب نجفی

طبری (تاریخ الامم)

(کربلا کی شیر دل خاتون) سید محمد عباس زیدی

(معارف الاسلامیہ) پنجاب یونیورسٹی لاہور

عزادارانِ حسین ۔ عورتوں اور مردوں کے نام:۔

اے میرے بھائی حسین کے غمگسارو، یہ جلیل الشان شہادتیں جو کربلا میں دی گئیں ان کا مقصد اصلی سامان گریہ اور مصائب پر نالہ وشیون کرنا نہ تھا۔ یہ عالی مرتبت بزرگوں، قابل فخر بچوں اور جواں مردوں کی ایسی شہادتیں تھیں جنہوں نے ماؤں کی گودیں اجاڑ دیں باپ، جوان بیٹوں کی جدائی سے سینہ فگار ہو کر رہ گئے۔ بھائی، بہنوں سے اور بھائی بھائی سے جدا ہوئے۔ موت بالکل سامنے تھی مگر یہ بہادر، نڈر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کھڑے تھے۔ مقتل کربلا سے لاش پر لاش آتی رہی مگر کیا مجال کہ ان میں سے کسی ایک کے بھی پائے ثبات میں لغزش آتی ہو حسین تو پھر حسین تھے، حسین کے غلاموں اور کنیزوں نے بھی وہ استقامت دکھائی اور ثبات وصبر کا ایسا مظاہرہ کیا کہ چشم فلک نے پھر دوبارہ یہ منظر نہ دیکھا۔

خیال رکھنا کہ یہ سب شہادتیں تم سے تمہارے دعوے (یالیتنا کنا معکم فافوز افوزا عظیما) پر دلیل مانگتی ہیں۔ تم ہر مجلس میں زیارت پڑھتے ہوئے اشک بار آنکھوں اور آہ بہ لب لبوں میں کہتے ہو "اے کاش ہم بھی اے حسین اس بڑی کامیابی میں تمہارے شریک حال رہتے۔"

یہ بڑی کامیابی کربلا میں ظلم کے خلاف حسین کی جدوجہد محض خاک وخون میں غلطاں ہو کر موت پا لینے کا نام نہ تھا۔ یہ تو شہادت تھی حسینی نقطہ نظر کی بقا، نصب العین کی حفاظت اور ارادے کی تکمیل کیلئے۔

اے دوستدارو میرے بھائی کے!

عین ہنگام کارزار میں جب موت کا بازار گرم تھا۔ لاشوں پر لاشیں گر رہیں تھیں، اور سروں کے انبار لگ رہے تھے۔ میرے بابا علی مرتضیٰ کے ایک جانثار نے کہا، مولا اے کاش اس جنگ میں میرا وہ بھائی بھی آپکی رفاقت میں ہوتا جو چاہتا تھا کہ یہاں آئے مگر بہ مجبوری نہ آسکا۔

آپ جانتے ہیں؟ اس جواب میں میرے بابا نے کیا کہا۔۔

فرمایا، اگروہ بھائی تیرا، ارادہ و عمل کے اعتبار سے ہمارے ساتھ ہے سمجھ کہ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور تو تو صرف اسکی بات کرتا ہے جو اس وقت یہاں نہیں یاد رکھ اے عزیز! جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے، باپوں کے صلب اور ماؤں کے رحم میں ہیں وہ بھی ہمارے اعوان و انصار میں شمار ہوں گے۔ بشرطیکہ اپنے عمل سے یہ سچ کر دکھائیں۔

اے محبان حسین!

اپنے طرز عمل سے سچ کر دکھائیے کہ آپ بھی قافلہ حسین کے فرد ہیں۔

راہ حق میں ثابت قدم رہیے، باطل کی ہیبت جبروت کی سطوت اور کفر کی کثرت سے خوف نہ کھائیے۔ ایسی موت، جو خدا کی راہ میں آئے، یقین کیجئے کہ ہمیشہ کی زندگی ہے، ظلم و جبر اور طاقت کے خوف سے مفاہمت نہ کیجئے۔ وسائل کی کمی اور قلت و ذلت کے خوف سے جہاد حق کا سفر ترک نہ کیجئے۔ نسل و رنگ وحسب و نسب، اور بندہ و آقا کی تفریق مٹا دیجئے۔ اور یقین کیجئے کہ حسینی قافلے کے سب شہید، گنج شہیداں میں یکجا ہو گئے ہیں۔ اعتراف وفا اور رفاقت کا اقرار یوں کیجئے کہ دودمان عالی کو غلام حر، محب جون، رضائے قارب اور کنیز فضہ ہونے کا بجا طور پر فخر محسوس ہونے لگے۔

اے عزائے حسین کی محافظ و منصرم بی بیو!

مجھے دیکھو! کربلا میرے ذریعے تمہیں ایک درس مستقل یہ دے رہی ہے کہ عورت پر سماج کی ہر وہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو کسی بھی مرد کیلئے ضروری ہے، کربلا سے کوفے، کوفے سے شام پھر شام سے کربلا و مدینے کا سفر میں نے کس ہمت مردانہ سے کیا۔ میرے کردار پر نظر کرو!

راہ حق میں اگر اولاد جیسی متاع عزیز بھی قربان کرنا پڑے تو قبول کرنا، کسی موت کو اپنے لیئے مستقل اضمحلال کا باعث نہ بنالینا۔ مجھے دیکھو کتنے بھائی، کیسے عزیز بیٹے، عزیز از جان بھتیجے، قربان ہوتے ہوئے دیکھے، جان نثاروں اور رفیقوں کو خاک و خون میں غلطاں دیکھا تحقیر و تذلیل کے اذیت ناک لمحے سہے کرب کے پے بہ پے صدمے اٹھائے لیکن کوئی آہ نہ کی، جب تک زندگی رہی، ثابت قدمی، صبر و شکر اور کلمات یقین و اطمینان کے ساتھ گذار دی۔

اے کاش تم سب بھی ایسے ہی ہو!